احمد بشیر

''اللّٰہ حافظ!''

ہم نے ترکی، اطالیہ، ہسپانیہ، یونان، اور دیگر ممالک میں اپنے دوستوں کو ٹیلی فون پر سالِ نو کی مبارک باد دی۔ گفتگو کے اختتام پر اطالیہ سے ہماری دوست نے ''آری ویدرچی (arrivederci)'' اور ترکی سے ہمارے دوست اور ان کی بیگم نے ''گُلے گُلے'' کہا۔ اسی طرح دوسرے دوستوں نے اپنی اپنی زبانوں میں ویسے ہی الوداع کیا جیسے وہ پہلے کرتے آئے تھے۔

ہم نے جب کراچی فون کیا تو بات چیت کے اختتام پر وہاں سے ''اللّٰہ‌حافظ'' کی آواز آئی۔ کراچی میں ہی کسی اور کو فون کیا۔ پھر ''اللّٰہ‌حافظ۔'' تیسرا فون۔ ''اللّٰہ‌حافظ۔'' اس کے بعد لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، کوہ مری، لاڑکانہ، غرض جہاں بھی فون کیا، ہمارے دوستوں اور رشتہ داروں نے فون رکھنے سے پہلے ''اللّٰہ‌حافظ'' کہا۔

ہم نے لندن، لندن کی نواحی بستیوں اور انگلستان کے دوسرے شہروں میں آباد پاکستانی احباب کو فون کیا۔ انھوں نے بھی بات چیت کا اختتام ''اللّٰہ‌حافظ'' سے کیا۔

متحدّہ عرب امارات کی ریاستوں، دُبئی اور شارقہ سے ہمارے بھائیوں نے بھی ''اللّٰہ‌حافظ'' ہی کہا۔

آخر میں ہم نے سوچا کیوں نہ کینیڈا اور امریکا میں آباد پاکستانیوں کو آزمایا جائے۔ مونٹریال، نیویارک، اور شکاگو سے بھی ''اللّٰہ‌حافظ'' ہی کی صدا گونجی۔

میں گھبرا گیا، یا اللّٰہ، اے خدا، یہ کیا ماجرا ہے؟ کہیں سلطنتِ پاکستان کی جانب سے کوئی فرمان تو نہیں جاری ہوا ہے جس کی خبر ہم جیسے نالائق لوگوں تک نہیں پہنچ پائی ہے؟ یا یہ کوئی وبا پھیلی ہوئی ہے، یا کوئی وائرس جس نے کوہ مری سے لے کر شکاگو تک پاکستانیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے؟

یا یہ کوئی شیعہ سنّی دشمنی ہے؟ ایران دشمنی ہے؟ یا پھر اردو دشمنی ہے؟ ہمیں نہیں معلوم، کیونکہ اب تک ہم سب پاکستانی رخصت ہوتے وقت ایک دوسرے کو ''خدا حافظ'' کہتے چلے آئے تھے۔

''اللّٰہ'' عربی کے لفظ ''الٰہ'' سے ہے جس کا مطلب ''دیوتا'' ہے اور ''الاھۃ'' ''دیوی'' کو

کہتے ہیں۔ ''اللّٰہ'' دراصل ''واحد'' کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک اور صرف ایک ''الٰہ''۔ ''خدا'' فارسی کے لفظ ''خود'' سے ماخوذ ہے (جسے ہم اردو میں رات دن استعمال کرتے ہیں، یہ جانے بغیر کہ یہ فارسی کا لفظ ہے)۔ یعنی خدا خود بخود پیدا ہوا ہے۔ قرآن میں بھی کہا گیا ہے کہ اللّٰہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔

پھر یہ فارسی سے دشمنی کس لیے؟ جیسا کہ سب کو معلوم ہے، اردو مختلف زبانوں کے امتزاج سے وجود میں آئی ہے۔ یہ لشکری زبان ہے۔ فوجی چھاؤنی میں پیدا ہوئی ہے۔ اسی لیے اسے ''اردو'' کہتے ہیں۔ بہت پہلے کی بات ہے کہ لندن کے ایک امیروں کے علاقے Bayswater میں یہ غریب برٹش لائبریری کی ملازمت میں تھا تو ایک دکان میں دورانِ گفتگو کچھ لوگوں کو میں نے بتایا کہ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ دکان سے نکل کر میں اپنے دفتر کی طرف جا رہا تھا کہ صاف رنگ اور دراز قد کے ایک صاحب جو کسی ''بڑے صاحب'' کے شوفر تھے اور جنھیں میں کسی طرح بھی پاکستانی نہیں سمجھا تھا، بھاگتے ہوے میرے پیچھے آئے اور انتہائی معصومیت اور حیرت کے انداز میں مجھ سے پوچھنے لگے: خدا کے واسطے مجھے بتائیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے؟ میری طرح اُن صاحب کی بھی اردو مادری زبان نہیں تھی۔ اردو زبان عربی، سنسکرت، ہندی، فارسی، اور ترکی زبانوں کی مرہونِ منّت ہے، مگر سب سے زیادہ چھاپ اس پر فارسی کی ہے۔ بعد میں اس میں مغربی زبانوں کے الفاظ بھی داخل ہوے ہیں۔ اب مقامی زبانوں کے شمول نے اسے اور بھی چار چاند لگا دیے ہیں۔ ہاں اردو کا حلیہ اگر بگڑ رہا ہے تو وہ جا اور بے جا انگریزی الفاظ کی بھر مار سے، جس کا سہرا اردو اخبارات کے سر ہے۔ اخبار نویس اس کا بیڑا غرق کرنے پر تُلے ہوے ہیں۔ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ اب اردو کو دیوناگری رسمُ الخط میں لکھنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

''ہوے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟'' اس موضوع پر گفتگو کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں۔

ذکر ہو رہا تھا اردو میں مختلف زبانوں کے اثرات کا۔ جو لطافت، حسن اور جمال فارسی نے اردو کو بخشا ہے، وہ کسی بھی اور زبان نے اردو کو عطا نہیں کیا۔ اگر آپ فارسی کو اردو زبان سے نکال دیں تو اردو کے دامن میں باقی کیا بچے گا۔

''جو تمھاری مان لیں ناصحا، تو رہے گا دامنِ دل میں کیا'' — نہ دامن دل میں کچھ

رہے گا اور نہ ہی دامنِ اردو میں کچھ بچے گا۔ اردو زبان ''پتر گھسیڑو'' ہو کر رہ جائے گی۔ ہندی وہ زبان نہیں رہی ہے جسی پنڈت نہرو بولتے تھے۔ ہندوستان والوں نے تنگ نظری کی بنا پر ہندی میں سے اردو، فارسی، اور عربی کا ایک ایک لفظ چُن چُن کر نکال دیا ہے، لیکن وہ فلمی دنیا کو ان الفاظ سے پاک نہیں کر سکے ہیں۔ چاہے وہ فلمی زبان کو ہندی، ہندوستانی، یا بھارتی کہیں، ہے وہ اردو ہی۔ میں ہندوؤں اور سِکھوں کو جب آپس میں باتیں کرتے سُنتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے آدھے سے زیادہ الفاظ عربی اور فارسی پر مبنی ہوتے ہیں لیکن انھیں اس کا علم نہیں ہوتا ہے۔ جب میں نے ایک سِکھ کو بتایا کہ ''خالصستان'' کا لفظ آدھا عربی اور آدھا فارسی ہے تو وہ نہیں مانا۔

ہندوستانی ٹائی کو ''کنٹھ لنگوٹ'' کہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ ہم ان کی نقل میں اسے ''گلو بند'' یا ''گلے کا پھندا'' کہنا شروع کردیں۔ نہ ہی ہم یہ چاہتے ہیں کہ اردو گِٹ پِٹ ہو کر رہ جائے۔

اب آئیے فارسی زبان کی طرف۔ ہماری روزمرّہ کی زندگی میں فارسی کا اتنا دخل ہے کہ اس کے بغیر ہم چل ہی نہیں سکتے۔ اور وہ الفاظ جو ہم نے عربی کے لیے ہیں، ان میں سے بہت سے فارسی کے توسّط سے آئے ہیں، اور ان کی شکل بدل گئی ہے۔ اصل میں جسے لسانیات کا شوق نہیں ہے اسے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کی گفتگو، بول چال، تحریر و تقریر میں جتنے الفاظ ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ فارسی کے ہوتے ہیں۔ فارسی ہمارے کلچر میں رچ بس گئی ہے۔ ہم صبح شام اپنی گفتگو میں فارسی کے محاورے اور امثال استعمال کرتے ہیں۔ ایک موقع پر تو ہم نے فارسی محاورے کے استعمال سے انگریز تک کو محظوظ کرنے میں کام یابی حاصل کی، جو پاکستان کے لیے کشمیر فتح کرنے کے مترادف ہے۔ ہمارے تین چھوٹے بھائی لندن آئے ہوے تھے۔ نصیر لیبیا سے آئے تھے، جسے معمّر قذافی ''جمہاریہ'' کہہ کہہ کر تھک گئے تھے، لیکن قذافی دشمنی میں دنیا ان کے ملک کو لیبیا ہی کہتی ہے۔ حفیظ پاکستان سے آئے تھے، اور سب سے چھوٹے سلیم متحدہ عرب امارات سے۔ ہم Bayswater کے ایک قہوہ خانے میں بیٹھے ہوے تھے۔ اتنے میں دو انگریز ہماری میز پر آ کر بیٹھے۔ وہ دونوں بھائی تھے۔ ہم کھا پی چکے تھے۔ ہمیں کافی کی مزید طلب ہوئی۔ میں نے سلیم کو پیسے دیے اور کہا ایک کافی لے کر آؤ۔ سلیم بیٹھے ہی تھے کہ حفیظ نے کہا کیک بہت لذیذ تھا۔ انھیں کیک کا ایک اور ٹکڑا چاہئیے تھا۔ سلیم کو میں نے پھر رقم دی۔ جب وہ

کیک لے کر آئے تو نصیر نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ایسپریسو کافی پینا چاہتے ہیں۔ سلیم پھر گئے۔ انگریز یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ میں نے ان انگریز بھائیوں سے کہا کہ ہماری ثقافت میں چھوٹے بھائی کی حیثیت ''کتّے'' کی سی ہوتی ہے۔ (یہ بیس بائیس برس پہلے کی بات ہے۔ وہ صورتِ حال اب عام طور پر نہیں ہے، جبکہ ہم بھائیوں میں ابھی ہے۔) میں نے انہیں فارسی کا یہ محاورہ سنایا: ''سگ باش، برادرِ خُرد مباش!''

میری توقّع کے خلاف وہ دونوں بھائی بہت لطف اندوز ہوے۔ خاص طور پر بڑے بھائی کی اَنا میں اضافہ ہوا۔ اس نے فوراً اپنے چھوٹے بھائی پر حکم صادر کیا، ''میرے ڈاگ، جاؤ۔ میرے لیے چائے لے کر آؤ!'' دوسرے دن ہم چاروں بھائی پھر اسی میز پر بیٹھے ہوے تھے۔ اس مرتبہ بڑے بھائی اکیلے ہی آئے۔ انھیں افسوس تھا کہ ان کا ''کتّا'' ان کے ساتھ نہیں ہے۔ لہٰذا انھیں خورد و نوش کی اشیاء کاؤنٹر سے خود لانا پڑیں گی۔ میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ اس نے ''ڈاگ'' کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ یہ کہا کہ آج میرے ساتھ میرا ''کتّا،'' میرا ''سگ'' نہیں ہے۔

عمر خیّام کو جانے دیجیے۔ وہ بادہ خوار ہی سہی۔ ان پر تو مغربی سکالرز لکھتے آئے ہیں۔ اب انگریز، اطالوی، اور فرانسیسی سکالرز رومی، سعدی، اور حافظ کے بیش بہا خزانوں کو کھود کر نکال رہے ہیں جبکہ پاکستانی انھیں نظر انداز کر رہے ہیں۔

اردو زبان عام طور پر اور شاعری خاص طور پر فارسی کی مقروض ہے۔ اردو میں نئی نئی تراکیب اور اصطلاحات فارسی پر مبنی ہیں، جن کے استعمال سے اس کی خوب صورتی میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

فیض احمد فیض کی مندرجہ ذیل تصانیف پر غور کیجیے: ''نقشِ فریادی،'' ''دستِ صبا،'' ''زنداں نامہ،'' ''دستِ تہِ سنگ،'' ''سرِ وادیِ سینا،'' ''شامِ شہرِ یاراں،'' ''مرے دل مرے مسافر،'' ''غبارِ ایّام۔'' ان میں ''نقش،'' ''وادی،'' ''سینا،'' ''مسافر،'' ''غبار،'' اور ''ایّام'' عربی کے الفاظ ہیں۔ باقی سب، ''دل'' سمیت، فارسی کے ہیں۔ لیکن عرب ''وادیِ سینا'' اور ''غبارِ ایّام'' نہیں لکھیں گے۔ یہ تراکیب بھی فارسی کی ہیں۔ ''متاعِ لوح و قلم'' میں الفاظ عربی کے ہیں لیکن ترکیب فارسی کی ہے۔ اس پر غور کیجیے، ''یہ یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر۔'' یاد رہے کہ فیض نے انگریزی کے علاوہ فارسی میں نہیں بلکہ عربی میں ایم۔ اے۔ کی سند حاصل کی تھی۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں زیادہ استعمال فارسی

کا کیا ہے۔ ''نسخہ ہائے وفا'' میں الفاظ اگرچہ عربی کے ہیں، ترکیب فارسی کی ہے۔

اگر آپ کوکسی وجہ سے فیض پسند نہیں ہیں تو پاکستان کے قومی شعر علّامہ اقبال کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے، انھوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر داناے راز آید کہ ناید؟

در دشتِ جنونِ من جبریل زنبور صیدے
یزداں بکمند آورد اے ہمّتِ مردانہ

اور اردو میں کہتے ہیں:

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

غور فرمائیے، اردو کے ان اشعار میں کتنے الفاظ فارسی کے ہیں۔

اگر آپ کہ اقبال بھی پسند نہیں ہیں تو اسد اللّٰہ خاں غالب کی شاعری پر نظر ڈالیے۔ انھوں نے بھی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اشعار کہے ہیں۔ ان کی فارسی کو مشکل سمجھا جاتا ہے۔

نشنیدہ لذّتِ تو فرو می رود بہ دل
اے حرف، محوِ لعلِ شکر خاے کیستی

(تمھارے اَن کہے الفاظ کی مٹھاس میرے دل میں سرایت کر گئی۔ اَن کہے اس لیے کہ تمھاری

اپنی مٹھاس سے تمھارے لب جُڑ گئے ہیں۔)

گردم ہلاک فرہ فرجامِ رہروی
کاندر تلاشِ منزلِ عنقا شود ہلاک

(میں اس مسافر کے قابلِ ستائش انجام کو دیکھ کر خوشی سے مرا جا رہا ہوں جو عنقا کی منزل تلاش کرتے کرتے اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔)

یہ تو غالب کے فارسی کے دو اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ ان کی اردو کی شاعری میں بھی فارسی کا بہت عمل دخل ہے۔ غالب کے دیوان کا پہلا شعر دیکھیے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اور دوسرا شعر:

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

اور یہ شعر:

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدّعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

چلیے چھوڑیے غالب، اقبال، فیض سب ہی کو۔ فارسی نکال دینے کے بعد قومی ترانے کا کیا کیجیے گا؟

پاک سر زمین شاد باد
کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عظمت، عالیشان
ارضِ پاکستان

مرکزِ یقین شاد باد
پاک سرزمین کا نظام
قوّتِ اخوّتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت
پائیندہ باد، تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد
پرچمِ ستارہ و ہلال
رہبرِ ترقّی و کمال
جانِ استقلال
سایۂ خدائے ذوالجلال

خدا حافظ